

روزہ کے متعلق غزالی کا نقطہ نظر

روزہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے متعلقہ مدارج کی تفصیل معلوم کی جائے۔ اس کے تین معروف درجے ہیں:

صوم عموم - عوام کا روزہ -

صوم خصوص - خواص کا روزہ

صوم خصوص الخصوص - یا ان لوگوں کا روزہ جو اللہ کے خاص الخاص بندے ہیں۔

صوم عموم سے مراد یہ ہے کہ صائم کم از کم ان ذمہ داریوں کو قبول کرے کہ کھانے پینے یا جنسی تقاضوں کی حد تک اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرے۔

صوم خصوص اس کے کچھ زیادہ کا طالب ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہاتھ پاؤں، ناک کان، اداوتان یہ تمام اعضاء و جوارح اپنے کو کسی معصیت سے آلودہ نہیں ہونے دیں گے اور صائم اس بات کا پابند ہوگا کہ ان کو ہر طرح کی آلودگی اور فحور سے بچائے رکھے گا۔

خصوص الخصوص کا تقاضا اس سے بھی آگے کی منزل کا ہے۔ اس سے یہ مقصود ہے کہ دل انکار ماسوا اللہ سے بالکل آزاد ہو جائے گا۔ اور فکر و تدبر کی صلاحیتوں کا بجز خدا کی ذات اور امور آخرت کے اور کوئی مدار و محور نہیں رہے گا۔ اسی کی محبت، اسی کی دھن اور اسی کا نام اور ذکر اس کا وظیفہ حیات ٹھہرے گا۔

اس منزل میں اختصاص و سموخ کس درجے کا ہونا چاہیے اس پر یوں غور کیے لیتے کہ جہاں عوام کا روزہ کھانے پینے کی اشیاء سے ٹوٹ جاتا ہے وہاں ان کے ہاں اس کی نزاکت کا یہ حال ہے کہ اگر کسی نے دنیا کے بارے میں ذرا سوچ لیا تو صی روزہ کی برکات سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہاں دنیا کے لفظ سے دھوکا میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ دنیا جو ادب اب قلب کے لیے بمنزلہ افطار کے ہے وہ ہے جو کئی طرح لمبی زاد آخرت نہ بن سکے۔ اور عقبی اس کام نہ آسکے۔ اس میں دین کا کوئی پہلو نظر نہ ہو۔ اور وہ دنیا جو بہر حال آخرت کا توشہ ہے اور عقبی کی بھلائیوں کا پیش خیمہ ہے اس کو دین ہی کا ایک ضروری حصہ سمجھنا چاہیے۔ اس مقام خصوص الخصوص میں قدم دھرنے سے

یہ لازم آتا ہے کہ صائم اس عالم دنی اور کارخانہ فنا کی ہر فکر اور ہر تشویش سے مخلصی حاصل کرے۔ یہاں تک کہ اگر دن کے وقت اس نے اپنی افطاری سے متعلق غور کر لیا تو محض اتنا کرنے سے اس کا نام گناہ گاروں کی فہرست میں لکھ لیا گیا۔

یہ رتبہ بلند آسانی سے حاصل ہونے والا نہیں اس پر انبیاء عظیم السلام فائز ہوتے ہیں۔ صدیق فائز ہوتے ہیں اور ان حضرات کو اس سے بہرہ مندی کے مواقع میسر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقررین خاص ہیں۔

اس مقام و درجہ کی دیگر تفصیلات کیا ہیں؟ اس پر مزید حاشیہ آرائی ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ قصہ زبانی جمع خرچ اور قبیل و قال سے متعلق نہیں۔ بلکہ کچھ حکایت عمل سے تعلق رکھنے والی کیفیت سے ہے جس کی کہ عمل اور صرف عمل ہی سے واضح ہو سکتی ہے۔ دو نظروں میں اس کیفیت کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص کلید اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور ارادہ و ہمت کی پوری پوری قوتوں کے ساتھ غیر اللہ سے اپنا رخ پھیر لے۔

صوم مخصوص جس کو ہم صوم صالحین سے بھی تعبیر کرتے ہیں یہ ہے کہ روزہ دار اپنے اعضاء و جوارح کو ہر قسم کی آلودگی و آلائش معصیت سے بچائے رکھے۔ اس کی تفصیل چھ امور کی تکمیل چاہتی ہے۔

امر اول: نظر و بصر کو محفوظ رکھا جائے اور کوشش کی جائے کہ اس کا ہدف نہ تو کوئی ناجائز و مکروہ بات ہو اور نہ کوئی ایسا منظر ہو کہ جو اپنی طرف الجھائے اور یا دالہی کو بھلا دے۔ آل حضرت کا ارشاد ہے:

النظرۃ سمہ۔ مسوم من سہا۔ ابلیس لعنہ اللہ فمن نرکھا خوفاً من اللہ اعطاہ اللہ عز وجل ایماناً یجیداً حلاقاً فی قلبہ۔

غیر محرم عورتوں کی طرف الجھائی ہوئی نظروں سے دیکھنا۔ ابلیس مرد و مکہ تیزوں میں کا ایک زہریلا تیر ہے۔ سو جو کوئی اللہ کے خوف کی وجہ سے اس سے باز رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی نعمت سے الالاکرے گا کہ اس کی وہ شیرینی پسندل میں محسوس کرے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

خمس یفطرن الصائم الکذب، والغیبة والتمیمة الیہین الکاذبۃ والنظر یا لشہوة

ان پانچ چیزوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے جھوٹ، چغلی، جھوٹی قسم، اور شہوت بھری نظریں۔

امر ثانی: زبان کو اس سے متعلق عیوب سے باز رکھا جائے۔ جیسے ہذیان، جھوٹ، غیبت، چغلی،

غش کوئی سخت کلامی، جھگڑا اور ریاکارانہ کلمات۔ ایجابی صفات اس میں یہ پیدا ہونی چاہئیں کہ لاجنی امور میں سکوت کو ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور تلاوت قرآن مجید میں مصروف و منہمک۔

غیبت کے بارے میں حضرت سفیان کا قول ہے:

الغیبة تفسد الصوم۔ غیبت روزہ میں ضلل پیدا کرتی ہے۔

نباہد سے مروی ہے:

خصمنا ان یفسدان الصیام الغیبة والکذب۔ دو خصمیں ایسی ہیں کہ جو روزہ کو بگاڑ دیتی ہیں۔ ایک غیبت دوسرے جھوٹ۔

آن حضرت فرماتے ہیں:

انما الصوم حجة فاذا کان احداکم صائماً فلا یرفث ولا یجھل وان امرء فاند او شائمه۔ فلیقل انی صائم اتی صائمہ۔ روزہ صائم کے لیے بمنزلہ سپر کے ہے۔ سو جو کوئی تم میں روزہ رکھے وہ نہ تو غش کوئی کرے۔ نہ لڑے جھگڑاے اور اگر اسے کوئی حکارے یا گالی کھوے پر اس کے تو کد کر ٹال جائے کہ بھائی میں تو روزہ سے ہوں۔ میں تو روزہ سے ہوں۔

امرتات: کان کے پرودوں پر کوئی ایسی آواز دہنک نہ دینے پائے جو معصیت کی طرف بلانے والی ہو۔ ممنوع اور حرام چیزوں کی طرف ملتفت ہونا کتنا برا ہے اس کا اندازہ اس آیت سے کیجئے کہ قرآن نے اسی میں کس طرح جھوٹی باتوں کو سننے اور سو د کھانے والے کو ایک ہی صف میں رکھا ہے:

سَمِعُونَ لَكُنْ ب - اَسْمَعُونَ لِلشُّحْتِ -

دوسری جگہ اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

لولا ینہا ہما الریائینون والاحبار من قولہم الاثم۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کسی کی برائی بیان کرنا گناہ ہے اسی طرح اس پر خاموش رہنا اور سننا بھی معصیت ہے۔ چنانچہ خود قرآن کا کتنا ہے:

واکلمہما السحت۔

آنحضرت نے بھی اس کی تائید فرمائی ہے:

المغتاب والمستمع شریکان
فی الاثتہ۔
غیبت کرنے والا اور اس کو آذیرہ گوش بنانے والا دونوں گنہ۔
میں برابر کے شریک ہیں۔

امر راجح: یہی بقیہ اعضاء کا حکم ہے ہاتھ پاؤں اور جسم کے دوسرے کل پرزے سے ہر طرح کی مصیبت سے
مجتنب رہیں۔ کیونکہ اگر کسی شخص نے دن بھر پیٹ میں شتا کوئی حرام چیز نہ جانے وی مگر افطاری کے قریب سولہ کو
حرام سے بڑھ کر لینا تو یہ پرے درجے کی بے وقوفی ہوگی اور اس پر عربی کی یہ مثل صادق آئے گی۔ بنی قنصرۃ و
ہدم موصوۃ۔ ایک محل تعمیر کیا لیکن پورا شہر ملیا میٹ کر کے۔ معذہ کو حرام سے بھر لینے سے پہلے روزہ کی حقیقت
پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اکل حلال سے روکا ہے اور پاکیزہ و طیب چیزوں پر پابندی عائد کی ہے
ایک مقصد یہ ہے کہ کھانے پینے کی وہ مباح اشیا جن سے روزانہ کام و دہن کی توضیح کا کام لیا جاتا ہے ان میں
بھی اتل قبیل پر اتقا کیا جائے تاکہ صبر و برداشت کی قوتوں کو نمو حاصل ہو اور ایک مسلمان اس لائق ہو کہ ہر نوع
کے ابتلاؤں کا مہیابی کے ساتھ سامنا کر سکے۔ چر جائیکہ اکل حرام کی اجازت دی جائے۔ ایسا شخص جو رمضان میں
بھی اس فعل خفیہ سے باز نہیں آتا اس کی مثال ایک ایسے مریض کی سی ہے جس کو طیب نے زیادہ کھانے سے
روک رکھا ہو مگر یہ ایسا بد پر مزیز ہو کہ کم کھانے کے بجائے زہر چھانک لے اور مہلکات تک سے اجتناب نہ
کرے۔ اب جو حال ایسے شخص کا ہو سکتا ہے وہی حال اس روزہ دار کا ہوگا جو روزہ بھی رکھتا ہے اور الم علم سب
کھا بھی جاتا ہے۔ اور مریض لحاظ نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے اور کن سے
باز رکھا اور روکا ہے۔

ایسے شخص کے حق میں آل حضرت نے فرمایا ہے:

کم من صائم لیس له من صومہ
الا الجوع والعطش۔
کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کو روزہ سے بجز بھوک اور پیاس
کے اور کچھ حاصل نہیں۔

امر خاص: افطاری کے وقت اتنا تو بہر حال کھانا ہی چاہیے کہ جس سے جسم و جان کا رشتہ قائم رہے۔ اور عبادات
پر قوت و استحکام پیدا ہو۔ لیکن اس طرح رنگارنگ کے کھانوں سے دسترخوان بھانا اور ڈٹ کے کھانا کہ
پیٹ کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے اور خواہش و طلب کی ہر ہر نوعیت پوری ہو تو یہ ایسی عبادت ہے کہ اس سے
روزہ کے مقصد کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ اس کی تہ میں جو فلسفہ کارفرما ہے وہ تو یہ ہے کہ سموات و رعبات

کے زور کو توڑا جائے اور جذبات و خواہشات کے طوفانوں پر قابو پایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ عرضِ تعلیلِ غذاہما سے حاصل ہو سکتی ہے۔ زیادہ کھانے اور پُرکھلفِ انطاری سے نہیں۔ لیکن ہمارے ہاں روزہ رکھنے والوں میں ہوتا یہ ہے کہ عموماً جو کھا ناصح و شام کھایا جاتا ہے رمضان میں اس کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اس کے لیے مخصوص تیاریاں کی جاتی ہیں۔ اور ایسی ایسی عمدہ چیزیں پکائی اور کھائی جاتی ہیں جو سال بھر پکائی اور کھائی نہیں جاتیں۔ ان حالات میں روزہ سے تقویٰ کی کیفیتیں پیدا ہوں اور خواہشاتِ نفس پر اقتدار حاصل ہوتو کیونکر۔ جب دن بھر بھوک اور پیاس کی شدتوں کو تیز کیا جائے گا اور افطاری کے وقت بوقلموں کھانوں سے پیٹ بھر لیا جائے گا تو اس سے کسرِ شہوات تو کیا ہو پائے گا اٹایا یہ اندیشہ ہے کہ نفس اور فریب ہو جائے۔ اور شیطان زیادہ کامرانی سے اس پر قبضہ جاسکے۔ اس لیے روزہ کی روح کا تقاضا یہی ہے کہ صائم اتنا ہی کھائے اور وہی کچھ کھائے کہ جس کا عموماً وہ عادی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھرے پھرے پیٹ سے زیادہ اور کوئی چیز مبغوض نہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی روزہ کے آداب میں داخل ہے کہ روزہ گزارنے اور بھلانے کی غرض سے دن کو سوئے نہیں بلکہ اس کی اذیتوں کو ہٹا اور جھیلتا رہے اور جسم کو اس ریاضت میں ٹھکاتا رہے تاکہ اس میں ایک گونڈاپٹ پیدا ہو اور یہ جسمانی سے تہجد بڑھ سکے اور اوراد و اشغال کے جاری رکھنے میں کوئی کسل اور وقت محسوس نہ کرے۔ جب اس انداز سے کوئی روزہ رکھے گا تو توقع ہے کہ اس پر ملکوت کے دروازے کھل جائیں گے اور شیطان اس کے نگر و ضمیر کے گرد نہ توجہ کر سکے گا اور نہ اپنی اہل فریبیوں سے اسے متاثر ہی کر سکے گا۔

لیلتہ القدر سے ہی بھی اسرارِ ملکوت کا وا ہونا ہے۔ قرآن میں ہے:

اننا نزلناہ فی لیلتہ القدر

لیکن اس کے لیے تعلیلِ غذا اور معدہ کا خالی ہونا شرط ہے۔ ورنہ یہ سیرنگی ایسا حجاب ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ملکیت کروٹ نہیں بدلا سکتی۔

امر ساوس: افطار کے بعد دل میں اضطراب ورجا کی ملی جلی کیفیات ہونا چاہئیں۔ اس لیے کہ کوئی نہیں جان سکتا کہ اس کی یہ کاہش اور محنت اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوئی ہے یا مسترد ہو جانے کے لائق ہے اور اس کا اس عبادت یا ریاضت سے مقبول بندوں میں شمار ہونے لگا ہے یا یہ ان لوگوں میں ہے کہ زیادہ نے اس کے عمل کو کالعدم قرار دیا ہے۔ اور یہ کیفیت صرف روزہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب عبادت سے فراغت کے بعد مومن کے جذبات کا یہی عالم ہونا چاہیے۔ چنانچہ بڑے بڑے اقیاء و صوفیاء نے انہیں کیفیات کے نشوونما پر زور دیا ہے۔ حسن بصری کا ایک مرتبہ ایسے لوگوں پر گذر ہوا کہ جو رمضان میں ہنسی اور

نٹھنے کی مجلسیں جمائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور بڑی بے فکری سے مقعر پر مقعر لگا رہے تھے۔ اپنے فرمایا تمہیں کچھ معلوم ہے یہ کون مہینہ ہے! یہ ماہ رمضان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے امتحان کا ایک میدان ٹھہرایا ہے۔ جس میں کچھ خوش قسمت تو ایسے ہیں جو گوئے سبقت نے جانے میں کامیاب ہیں۔ اور کچھ ایسے بد نصیب ہیں کہ جن کے پلے ناکامیوں کے سوا کچھ نہیں پڑا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کشفِ غطا سے کام لے اور ان کی بصیرت کی آنکھیں کھول دے تو کامیاب و کامران اپنی خوش بختیوں میں نازاں و فرحان مصروف ہو جائیں اور غائب و خاسر کو اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ اپنی بد حالیوں پر غور کر سکے۔ مقصد یہ ہے کہ رمضان ایسی سعادت ہے کہ اس سے بہرہ مندی کی صورت میں بے شمار مسرتیں ہیں جن سے صائم دوچار ہیں۔ اور اس سے محرومی کی حالت میں بے شمار حسرتیں ہیں جن سے نہ نسا ہے۔ لہذا سہنی اور نٹھنے کی قطعی گنجائش نہیں اور تم کیسے ناقد اور ناشکر ہو کہ ایسے قیمتی اوقات کو بپوں اموالہب میں کھو رہے ہو۔

احف بن قیس بہت بڑے ہوئے نٹھے اس پر بھی روزہ رکھتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ اس سے آپ کے قومی میں اضحلال پیدا ہو جائے گا اور رہی سہی سکت بھی جاتی رہے گی۔ اپنے فرمایا یہ درست ہے۔ لیکن اس میں تو غور کرو کہ گنتی عمر ساحل تک پہنچنے ہی والی ہے۔ اور یہ مسافت علاوہ اس کے کہ دور دراز کی ہے کٹھن بھی ہے اس کی طیاری کرنا ضروری ہے۔ پھر اس راہ میں صبر و برداشت اس سے کہیں سہل ہے کہ اللہ کی غضب ناکیوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔

یہ ہیں وہ معانی باطنہ کہ جن کو روزوں میں ملحوظ رکھنا لازم ہے اور جن کے بغیر ان میں کیفیت و لطف پیدا نہیں ہو پاتا۔ اس پر اگر کوئی کہہ دے کہ فقہاء تو اس قدر شرائط اور سختیاں عائد نہیں کرتے بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کھانے پینے میں شرعی احتیاط کا خیال رکھتا ہے اور جنسی تقاضوں سے بچا رہتا ہے اس کا روزہ بغیر کسی شبہ اور کھٹک کے صحیح ہے۔ سوال یہ ہے کہ فقہاء کی اس یقین دہانی کے بعد ان دقائق کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ فقہائے ظاہر اور علمائے باطن کا دائرہ بحث و فکر الگ الگ ہے۔ فقہاء صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ ظاہر کی حد تک دلائل و شرائط کی تفصیل بیان کر دیں۔ ان پر فرض قطعاً عائد نہیں ہوتا کہ معانی باطنہ کا کھوج لگائیں اور بتائیں کہ جھوٹ یا غیبت کا مثلاً روزہ کی روحانیت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ بر خلاف علماء باطن کے کہ یہ اس پر مامور ہیں کہ عبادات کی روح بھی متعین کریں۔ اور اس کے لوازم و شرائط کی چھان بین کریں۔ رہی یہ بات کہ ان امور باطنیہ کی اہمیت کیا ہے تو اس کا اندازہ فریقین کے دلائل سے کچھئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فقہاء کے دلائل نسبتاً کمزور ہیں اور علمائے باطن جن حقائق پر زور دیتے ہیں ان کا

موقف زیادہ مضبوط اور مستحکم ہے۔

پھر ایک فرق یہ بھی ہے کہ دونوں کے مخاطبین الگ الگ ہیں۔ اور دونوں کے مقاصد جدا جدا ہیں۔ یعنی فقہاء کی اگر یہ کوشش ہے کہ اس گروہ کو دین کی موٹی موٹی حقیقتیں سمجھائیں جو دنیا سے دنی پر مشابہ ہوا ہے اور دین کی جانب سے بالکل غافل ہے۔ تو علمائے باطن کا مخاطب وہ طائفہ ہے جو فرض کی حد تک تو پوری طرح ایس ہے مگر اس پر قانع نہیں بلکہ مزید ترقیات کا خواہاں ہے۔ اور مزید درجات کا طالب ہے۔ ایک فرق دونوں میں یہ ہے کہ فقہاء کی پرواز زیادہ سے زیادہ تصحیح اعمال تک ہے۔ آگے نہیں۔ لیکن اربابِ قلوب قبولیت کے جہاں میں بلکہ قبولیت سے بھی متجاوز ہو کر ان کا نصب العین وصول والنصالی کی سرحدوں تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

جس میں تفاوت راہ از کجاست تا کجا

کیوں؟ اس لیے کہ ان کے نزدیک روزہ کا اولین اور بنیادی مقصد تخلیق باخلاق اللہ ہے، اور اللہ کے اخلاق کے ساتھ ہم رنگ ہونے کے معنی مقامِ صمدیت تک پہنچنا ہے۔ اور ملائکہ کی صف میں گھرا ہونا ہے۔ اور یہ ملائکہ کیا ہیں؟ ایک ایسی مخلوق جو گناہ اور مصیبت کے پھر میں گرفتار نہیں بلکہ جس کا وظیفہ حیات ہی اعلیٰ و بندگی ہے۔ لہذا انسان جس قدر خواہشات سے اونچا اٹھے گا اسی نسبت سے صفت ملکیت سے متصف ہوگا۔ اور جس نسبت سے ہوس و آرزو کے پھندوں میں پھنسنے کا اسی نسبت سے ملائکہ سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ اب جب روزہ کے معنی اربابِ قلوب کے نزدیک یہ ٹھہرے کہ اس کے ذریعہ مقامِ صمدیت سے تعلق پیدا کرنا ہے تو روزہ کے اس تصور پر کیوں نکتہ مطلق ہو سکتے ہیں کہ ایک وقت خاص تک تو رٹی کا ایک بھورا اور پانی کا ایک قطرہ بھی حلق کے اندر جانے نہ پائے لیکن جب وہ وقت گزر جائے تو پھر پیٹ کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہے کہ جو بھر نہ جائے اور دسترخوان کھانوں کی تمام اقسام سے آراستہ ہو۔ کیونکہ اگر روزہ کا مفہوم اسی قدر ہوتا تو ان حضرات کیوں ارشاد فرماتے:

کہنے ہمارے دار ایسے ہیں کہ جن کو روزہ سے بجز بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل ہوتے والا نہیں۔

کہ من صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع والعطش۔

اس معنی کے پیش نظر یعنی غلام کا کہنا ہے:

کچھ ایسے روزہ دار ہیں جو منظر کے حکم میں ہیں اور کچھ ایسے منظر ہیں کہ روزہ کی برکات سے بہرہ مند ہیں۔

کہ من صائم مفضل۔ و کہ من مفضل صائم۔

یعنی منظر جو روزہ نہ رکھنے کے باوجود روزہ کی برکات سے بہرہ مند ہیں، وہ حضرات ہیں کہ جو اگرچہ کھانے

پینے کے معاملہ میں روزہ کی پابندیوں کے تکلف نہیں تاہم ان کے اعضاء و جوارح مکمل روزہ سے ہیں۔ ان کے کان غیبت سے آستانہ نہیں۔ ان کی زبانیں بے ہودہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے کلیتہً مجذوب ہیں اور ان کی نظر میں عفاف و پاکیزگی کردار کی پوری طرح آئینہ دار ہیں۔ اسی طرح صائم مغطر کے حکم میں وہ گروہ ہے جو بظاہر روزہ سے ہے۔ اور بھوک اور پیاس کی شدتوں کو ہمتا اور جھیلتا بھی ہے۔ مگر اپنے اعضاء و جوارح کو مصیبت و نافرمانی سے باز نہیں رکھ سکا۔ یہی نہیں بلکہ اس معاملہ میں پرلے درجے کی تشابہ ہے۔ ان دونوں میں جو نمایاں فرق ہے اس کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے اس مثال پر غور کیجئے کہ وہ شخص جس نے روزہ رکھا اور اس کی روح کو نظر انداز کیا۔ وہ اس آدمی کی طرح ہے کہ جس نے اعضاء و ضویر تین تین بار مسح کیا لیکن دھویا نہیں۔ اور جس نے روح کے تقاضوں کو سمجھا اور برائیوں سے اپنا دامن عمل بچا لیا اس کی مثال ایسے شخص کی ہے کہ جس نے گو پاک ہی مرتبہ اعضاء و ضویر کو دھویا اور تین تین بار دھونے کی شرط پوری نہیں کی تاہم پاکی کے لوازم کو پورا کیا۔ اس شخص کی نماز عند اللہ مقبول ہوگی پھر وہ شخص جس نے گو تین مرتبہ مسح کیا مگر اعضاء کو دھو کر پاک نہیں کیا۔ اس کی نماز مقبول ہونا تو کجا انسا باز پرس کا سبب بنے گی اور اس کے منبر پر باری جانے لگی۔

روزہ میں اس معنویت کا خیال رکھنا اس بنا پر ضروری ہے کہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے جس کا استعمال لازمی ہے۔ آل حضرت کا ارشاد ہے :

الصوم امانۃ فلیحفظ احدکم امانتہ - روزہ ایک امانت ہے سو چاہیے کہ تم اس کی حفاظت کرو۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ نے مذکورہ تحت آیت

ان اللہ میا ہر کھان تو دو الامانات الی اھلھا

پڑھی تو کانوں اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا :

المسمع امانتہ - والبصر امانتہ -

کان بھی اللہ کی امانت ہیں اور آنکھ بھی امانت ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ نظام عبادات میں ایک حصہ ظواہر کا ہے اور ایک باطن کا۔ ایک بمنزلہ قشر اور دوسرے چمکے کے ہے اور ایک لب لباب اور روح و اصل کے۔ پھر باطن کے بھی کئی کئی درجے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ تم ان میں کس چیز کو پسند کرتے ہو۔ کیا ظواہر پر اکتفا کرتے ہو یا عبادات کی گہرائیوں میں اترتے ہو اور اس گروہ میں شمار ہوتے ہو جو دین کے معاملہ میں عقل و حکمت سے کام لیتا ہے۔